جدید کمپیوٹر ایڈیشن

تفسیر کمالین

شرح اردو

تفسیر جلالین

تفسیر

علامہ جلال الدین محلیؒ و علامہ جلال الدین سیوطیؒ

شرح

حضرت مولانا محمد نعیم دیوبندی صاحب

استاذ تفسیر دار العلوم دیوبند

دار الاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 021-32213768

تفسیر کمالین

شرح اردو

تفسیر جلالین

جلد چہارم

پارہ ١٦ تا پارہ ٢٠

بقیہ سورة الکهف

تا

سورة العنكبوت

تفسیر

علامہ جلال الدین محلیؒ و علامہ جلال الدین سیوطیؒ

شرح

حضرت مولانا انظر شاہ صاحب ابن حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب

استاذ تفسیر وحدیث دار العلوم دیوبند

مکتبہ

دار الاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : ایڈیشن جنوری ۲۰۰۸ء

ضخامت : ٦ جلد صفحات ۳۲۲۴

تصدیق نامہ

میں نے ''تفسیر کمالین شرح اردو تفسیر جلالین'' کے متن قرآن کریم کو بغور پڑھا جو کمی نظر آئی اصلاح کردی گئی۔ اب الحمدللہ اس میں کوئی غلطی نہیں انشاء اللہ۔

محمد شفیق (فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن)
نمبر مجاریہ R.ROAUQ 2002/338
رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف سندھ
23/08/06

...... ملنے کے پتے ......

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 دیب روڈ لسبیلہ کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

یہ پاکستانی طبع شدہ ایڈیشن صرف انڈیا ایکسپورٹ نہیں کیا جاسکتا

لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾ اَیْ اَذْکُرُهٗ لَكَ بِعِلَّتِهٖ فَقَبِلَ مُوْسٰی شَرْطَهٗ رِعَایَةً لِاَدَبِ الْمُتَعَلِّمِ مَعَ الْعَالِمِ **فَانْطَلَقَا** ع ۹ ۱۱ ۲۱
یَمْشِیَانِ عَلٰی سَاحِلِ الْبَحْرِ **حَتّٰۤی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ** الَّتِیْ مَرَّتْ بِهِمَا **خَرَقَهَا** ط اَلْخَضِرُ بِاَنْ اِقْتَلَعَ
لَوْحًا اَوْ لَوْحَیْنِ مِنْهَا مِنْ جِهَةِ الْبَحْرِ بِفَاسٍ لَمَّا بَلَغَتِ اللُّجَّ **قَالَ** لَهٗ مُوْسٰی **اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا** ج وَفِیْ قِرَاءَةٍ
بِفَتْحِ التَّحْتَانِیَةِ وَالرَّاءِ وَرَفْعِ اَهْلِهَا **لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا اِمْرًا** ﴿۷۱﴾ اَیْ عَظِیْمًا مُنْكَرًا رُوِیَ اَنَّ الْمَاءَ لَمْ
یَدْخُلْهَا **قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا** ﴿۷۲﴾ **قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ** اَیْ
غَفَلْتُ عَنِ التَّسْلِیْمِ لَكَ وَتَرْكِ الْاِنْكَارِ عَلَیْكَ **وَلَا تُرْهِقْنِیْ** تُكَلِّفْنِیْ **مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا** ﴿۷۳﴾ مَشَقَّةً فِیْ
صُحْبَتِیْ اِیَّاكَ اَیْ عَامِلْنِیْ فِیْهَا بِالْعَفْوِ وَالْیُسْرِ **فَانْطَلَقَا** قف بَعْدَ خُرُوْجِهِمَا مِنَ السَّفِیْنَةِ یَمْشِیَانِ **حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا**
غُلٰمًا لَمْ یَبْلُغِ الْحِنْثَ یَلْعَبُ مَعَ الصِّبْیَانِ اَحْسَنُهُمْ وَجْهًا **فَقَتَلَهٗ** لا اَلْخَضِرُ بِاَنْ ذَبَحَهٗ بِالسِّكِّیْنِ مُضْطَجِعًا اَوْ
اِقْتَلَعَ رَاْسَهٗ بِیَدِهٖ اَوْ ضَرَبَ رَاْسَهٗ بِالْجِدَارِ اَقْوَالٌ وَاَتٰی هُنَا بِالْفَاءِ الْعَاطِفَةِ لِاَنَّ الْقَتْلَ عَقْبَ اللِّقَاءِ وَجَوَابُ اِذَا
قَالَ لَهٗ مُوْسٰی **اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةً** اَیْ طَاهِرَةً لَمْ تَبْلُغْ حَدَّ التَّكْلِیْفِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ زَكِیَّةً بِتَشْدِیْدِ الْیَاءِ بِلَا اَلِفٍ
بِغَیْرِ نَفْسٍ ط اَیْ لَمْ تَقْتُلْ نَفْسًا **لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا نُّكْرًا** ﴿۷۴﴾ بِسُكُوْنِ الْكَافِ وَضَمِّهَا اَیْ مُنْكَرًا

ترجمہ: .... اور (وہ واقعہ یاد کیجئے) جب کہ موسیٰ (عمران کے صاحبزادہ) نے اپنے خادم سے فرمایا (جن کا نام یوشع بن نون تھا جو حضرت موسیٰ کے ساتھ خادمانہ حیثیت سے رہتے تھے اور تعلیم حاصل کرتے تھے) کہ میں اپنی کوشش میں برابر لگا رہوں گا (برابر چلتا رہوں گا) جب تک اس جگہ نہ پہنچ جاؤں جہاں دونوں سمندر آ ملے ہیں (بحر روم اور بحر فارس کا ملاپ جس شرقی سمت میں ہو رہا ہے اس سنگم پر جب تک نہ پہنچ جاؤں) یا یوں ہی زمانہ دراز تک چلتا رہوں گا (اگر وہ جگہ بہت دور ہوئی تو برابر چلتا ہی رہوں گا) پھر جب موسیٰ دونوں سمندروں کے سنگم پر پہنچے تو انہیں اس مچھلی کا خیال نہ رہا جو اپنے ساتھ رکھ لی تھی (یوشع تو کوچ کے وقت اٹھانا بھول گئے اور موسیٰ کو یاد دلانے کا دھیان نہ رہا) فوراً ہی مچھلی نے سمندر کی راہ لی اور چل دی (یعنی حکم الٰہی سے مچھلی دریا میں سرنگ کی طرح راستہ بناتی چلی گئی۔ سرب لمبی سرنگ کو کہتے ہیں جس کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ نے مچھلی کے لئے پانی روک کر راستہ بنایا سب طرف سے پانی رک کر طاق اور سرنگ کی طرح ہوگیا) پھر جب دونوں (اس مقام سے چل کر اگلے روز صبح آگے بڑھ گئے) تو موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ ہمارا ناشتہ (صبح کا کھانا) تو لاؤ آج کے سفر نے تو ہمیں بہت تھکا دیا ہے (مقام مقصود سے آگے بڑھ جانے پر تعب محسوس ہوا) خادم نے عرض کیا لیجئے دیکھئے (لفظ ارأیت تنبیہ کے لئے ہے) جب ہم (وہاں) اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں اس مچھلی کی بات کو بھول ہی گیا تھا اور یہ شیطان ہی کا کام ہے کہ میں اس کا ذکر کرنا بالکل ہی بھول گیا (انسانیہ کی ضمیر سے لفظ ''ان اذکرہ'' بدل اشتمال ہو رہا ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے انسانی ذکرہ) اس (مچھلی) نے عجیب طریقہ پر سمندر میں جانے کی راہ نکال لی (لفظ عجبا ترکیب میں مفعول ثانی واقع ہو رہا ہے۔ غرض کہ مچھلی کی سرنگ بنانے کا ذکر جو پہلے گزرا ہے اس سے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم کو تعجب ہوا) کہنے لگے (موسیٰ) یہی وہ موقع ہے (جہاں مچھلی گم ہوگئی) جس کی ہمیں تلاش تھی (کیونکہ جسے ہم ڈھونڈ رہے ہیں یہی

اس کی نشانی ہے) پس وہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے الٹے لوٹے (اور چٹان پر پہنچ گئے) تو انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ (خضر) کو پایا۔ جنہیں ہم نے اپنی خاص رحمت عنایت کی تھی (ایک قول کے مطابق نبوت مراد ہے اور اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ رحمت سے مراد ولایت ہے) اور ہم نے انہیں اپنے پاس سے ایک خاص طریقہ کا علم سکھلایا تھا (لفظ علماء مفعول ثانی ہے یعنی غیبی معلومات میں سے کچھ حصہ عطا کیا تھا۔ امام بخاریؒ نے روایت بیان کی ہے کہ حضرت موسیٰ ایک دفعہ خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے بنی اسرائیل کے سامنے کھڑے ہوئے، کسی نے پوچھا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ ارشاد ہوا کہ میں؛ اس پر عتاب الٰہی ہوا کہ اللہ کی طرف نسبت کیوں نہ کی؟ چنانچہ وحی الٰہی ہوئی کہ "مجمع البحرین" پر ہمارے ایک خاص بندے ہیں جو تم سے بڑے عالم ہیں موسیٰ علیہ السلام نے شوق سے پوچھا کہ ان تک رسائی کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ ارشاد ہوا کہ اپنے ساتھ مچھلی لے کر ناشتہ دان میں رکھ لو، پس جہاں مچھلی گم ہوجائے سمجھو کہ وہیں ہیں۔ غرضیکہ انہوں نے مچھلی لے کر ناشتہ دان میں رکھ لی، اور چل پڑے ساتھ یوشع بن نون بھی ہوگئے حتی کہ ایک چٹان پر پہنچ کر ان کی آنکھ لگ گئی، مچھلی ناشتہ دان سے تڑپ کر دریا میں جا پہنچی اور سرنگ بناتی چلی گئی، بحکم الٰہی اتنے حصہ میں اس کے لئے پانی روک دیا گیا اور طاق کی طرح سوراخ بن گیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھ کھلی تو خادم مچھلی کا ماجرا کہنا بھول گئے اور پورا دن اور رات دونوں سفر ہی میں رہے جب اگلا دن ہوا تو صبح کا ناشتہ حضرت موسیٰ نے طلب فرمایا...... بہرحال مچھلی نے تو سرنگ بنائی اور حضرت موسیٰ اور خادم حیران رہ گئے) موسیٰ علیہ السلام نے خضر سے خواہش کی کہ آپ اجازت دیں تو آپ کے ساتھ رہوں بشرطیکہ جو مفید علم آپ کو سکھایا گیا ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی سکھادیں، (درست اور صحیح علم) ایک قرأت میں لفظ رشدا ضمہ راء اور سکون شین کے ساتھ آیا ہے۔ اور حضرت موسیٰ نے یہ فرمائش اس لئے کی کہ علم میں ترقی مطلوب چیز ہے) ان بزرگ نے جواب دیا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کرسکیں گے، اور ایسی بات پر تم صبر کیسے کرسکتے ہو جو تمہاری سمجھ کے دائرہ سے باہر ہو؟ (گذشتہ حدیث میں اسی آیت کے بعد یہ بھی آیا ہے کہ ان بزرگ نے کہا اے موسیٰ: جو مخصوص علم مجھے دیا گیا ہے اس سے آپ بے تعلق ہیں اور آپ کو جو علم عطا فرمایا گیا ہے اس سے میں پوری طرح واقف نہیں ہوں اور لفظ خبرا مصدر ہے یعنی حقیقت حال کی آپ کو اطلاع نہیں) موسیٰ نے فرمایا کہ خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی (نافرمانی) نہیں کروں گا۔ (حضرت موسیٰ نے انشاء اللہ اس لئے کہا کہ انہیں وعدہ کے بارے میں اپنے نفس پر اعتماد نہ ہوا اور انبیاء واولیاء کی عادت یہی رہی ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کیا کرتے) ان بزرگ نے کہا "اچھا" اگر تمہیں میرے ساتھ رہنا ہی ہے تو اس بات کا خیال رکھو کہ تم مجھ سے کچھ مت پوچھنا (اور ایک قرأت میں لفظ فلا تسئلنی فتحہ لام اور تشدید نون کے ساتھ آیا ہے) کسی بات کی نسبت (جو تمہیں تمہارے علم کی رو سے اوپری معلوم ہو، بلکہ اس پر تم صبر کرنا) جب تک میں خود تم سے کچھ نہ کہوں (اس کا سبب نہ بتلاؤں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اس شرط کو منظور کرلیا استادی شاگردی کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے) پھر دونوں سفر کے لئے نکلے (ساحل سمندر پر ہوتے ہوئے) یہاں تک کہ دونوں کشتی پر سوار ہوئے (جو ان کے سامنے سے گزر رہی تھی) تو ان بزرگ نے ایک جگہ دراڑ نکال دی (حضرت خضر نے کشتی کے نیچے سے کلہاڑا مار کر ایک دو تختے نکال دیئے اور وہ بھی ایسے وقت جب کشتی منجدھار میں پھنس گئی تھی) یہ دیکھتے ہی (موسیٰ) چیخ اٹھے کہ آپ نے کشتی میں دراڑ اس لئے ڈال دی کہ مسافر غرق ہوجائیں (اور ایک قرأت میں یغرق فتح یاء اور فتح راء کے ساتھ اور لفظ اھلھا مرفوع آیا ہے) آپ نے کیسی خطرناک بات کی (جو نہایت بیجا ہے، روایت ہے کہ پانی کشتی میں داخل نہیں ہوسکا تھا) ان بزرگ نے کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کرسکو گے؟ موسیٰ نے فرمایا بھول ہوگئی اس پر گرفت نہ کیجئے (یعنی آپ کی بات مان لینے اور اس پر اعتراض نہ کرنے کا وعدہ مجھے یاد نہیں رہا ہے) اگر ایک بات بھول چوک میں

ہو جائے تو مجھ پر سخت گیری نہ کیجئے (اپنے ساتھ رکھنے میں تنگی نہ برتیئے بلکہ اس معاملہ میں نرمی اور سہولت کا برتاؤ رکھئے) پھر دونوں آگے بڑھے (کشتی سے نکل کر آگے چلے) یہاں تک کہ جب ایک لڑکے سے ملے (جو نابالغ تھا اور اپنے ہمجولی بچوں میں سب سے خوبصورت تھا) تو ان بزرگ نے اسے مار ڈالا (حضرت خضر نے زمین پر بچھاڑ کر چھری پھیر ڈالی یا ہاتھ سے کھوپڑی اتار لی یا اس کا سر دیوار میں دے مارا۔ یہ تین قول ہوئے اور فا عاطفہ اس لئے لایا گیا تا کہ معلوم ہو کہ بچہ سے ملتے ہی فوراً اسے مار ڈالا، اور اذا کا جواب آگے ہے) اس پر موسیٰ چیخے کہ آپ نے ایک بے گناہ کی جان لے لی (جو معصوم اور غیر مکلّف تھا اور ایک قرأت میں لفظ زکیۃ بغیر الف کے تشدید یا کے ساتھ ہے) حالانکہ اس نے کسی کی جان نہیں لی تھی (کسی کو جان سے نہیں مارا تھا) بلاشبہ آپ نے بڑی بے جا حرکت کی ہے (لفظ نکرا کاف کے سکون اور ضمہ کے ساتھ دونوں طرح آیا ہے یعنی بری بات کی ہے)۔

تحقیق وترکیب: ....**ابن عمران** ، حضرت موسیٰ علیہ والسلام لاوی ابن یعقوبؑ کی اولاد میں سے ہیں اور بنی اسرائیل کے اولوالعزم پیغمبر ہیں۔قول صحیح یہی ہے جس پر آثار متفق ہیں لیکن کعب الاحبارؒ کے نزدیک موسیٰ بن میشا بن یوسف بن یعقوبؑ مراد ہیں جو مشہور نبی حضرت موسیٰ سے پہلے ہوئے ہیں۔ باقی حضرت خضر سے افضل ہونے کے باوجود اکتساب کرنا علم کے باب مین ان کی حسن طلب اور سچی سعی پر دلالت کرتا ہے۔ **لفتٰہ** یوشع بن نون یہ صاحبزادہ ہیں افراہیم بن یوسف کے اور بعض کتابوں میں افراہیم کی بجائے افرائیم لکھا ہے۔**وکان یتبعہ** بعض نے حضرت یوشع کو غلام کہا ہے۔لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ آزاد ہونا شرائط نبوت میں سے ہے لفظ **فتی** سے قرآن کا اشارہ اس طرف ہے کہ طلب علم اصل زمانہ نوجوانی کا ہے اور **ویخدمہ** سے معلوم ہوا کہ استاد وشاگرد اور گرو اور چیلہ میں یہ تعلق قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے شاگرد اور چیلہ کی خدمت ہی استاد اور گرو کی محبت وشفقت اور کشش کا باعث بنتی ہے اور پھر یہی مناسبت اکتساب کمالات کا ذریعہ بنتی ہے۔البتہ اس سے یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ نبوت ورسالت اگر خدمت کر کے حاصل کی جاسکتی ہے تو پھر کسبی ہوئی۔کہا جائے گا کہ نبوت ورسالت تو محض وہبی اور عطائی ہے البتہ اس عطا کے لئے جس صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے اس کے پیدا کرنے میں خدمت وطاعت کو ضرور دخل ہوسکتا ہے۔

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

مجمع البحرین بعض نے بحر روم وفارس کا سنگم مانا ہے اور بعض کے نزدیک بحر اردن اور بحر قلزم کا سنگم ہے، لیکن یہ موقع صرف بحر محیط یا اس کے آس پاس ہے اور بعض نے بحرین سے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضرؑ کی ذوات مراد لی ہیں کیونکہ دونوں اپنے اپنے علوم کے دریا ہیں۔ایک علم شریعت کا ایک علم مکاشفہ کا۔لیکن حافظؒ کی رائے اس بارہ میں یہ ہے کہ نہ یہ بات کسی روایت سے ثابت ہے اور نہ الفاظ اس کے مؤید ہیں البتہ بطور نکتہ اور لطیفہ کے اس کو کہا جاسکتا ہے۔**حقبا** حقب کے معنی اسی سال کی مدت کے ہیں، غرضیکہ مدت طویل مراد ہے۔اس سے طلب علم کے لئے سفر کرنا اور اس کے لئے ضروری زادراہ لینا اور صعوبت سفر جھیلنا اور گوارا کرنا معلوم ہوا۔**نسی** معلوم ہوا کہ وہ مچھلی خشکی کے حصہ پر رکھی ہوئی تھی مگر حضرت یوشع کو یاد نہ رہی تھی اور وہاں سے تڑپ کر دریا میں چلی گئی لیکن بعض کی رائے یہ ہے کہ چٹان کے پاس ایک چشمۂ حیات تھا۔جب حضرت موسیٰ سو کر اٹھے اور اس چشمہ سے وضو فرمایا تو اس کے پانی کی چھینٹیں ناشتہ دان میں رکھی ہوئی مچھلی پر پڑیں تو مچھلی زندہ ہوگئی اور اس نے دریا کی راہ لی پس اس صورت میں بھولنے سے مراد یہ ہوگی کہ خادم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتلانا بھول گئے۔رہا یہ شبہ کہ ایسی عجیب بات تو بھولنی نہیں چاہئے بلکہ ایسی باتیں تو حافظہ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوجایا کرتی ہیں؟ جواب یہ ہے کہ عجیب وغریب بات اگر گاہ بگاہ پیش آئے تب تو اس شبہ کی

گنجائش ہے لیکن جہاں ایک سے ایک بڑھ کر خوارق وعجائب پیش آتے رہیں تو وہاں نہ غیر معمولی تعجب ہوتا ہے اور نہ لوح حافظہ پر اس کا نقش رہنا ضروری ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ یوشع بن نون اللہ کی قدرت وعظمت میں اس قدر مستغرق ہو گئے کہ انہیں دوسری باتوں سے ذہول ہو گیا۔ فاتخذ مچھلی کا دریا میں چلا جانا پہلے اور اس واقعہ کو بھول جانا بعد میں ہوا پس آیت میں تقدیم تاخیر ہو گئی اصل عبارت اس طرح ہے۔ فادرکته الحیاة فخرج من المکتل وسقط فی البحر فاتخذ سبیله لفظ سربا اتخذ کا مفعول ثانی یا ضمیر مستتر سے حال ہے۔ یبدل اصل عبارت اس طرح ہے۔ ما انسانی ذکرہ الا الشیطان اس پر اشکال ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر شیطان کا تسلط نہیں ہو سکتا پھر شیطان کی طرف سے کیسے حضرت یوشع علیہ السلام پر نسیان طاری ہوا؟ جواب یہ ہے کہ شیطان کی طرف بطور کسر نفسی کے اس نسیان کو منسوب کر دیا ہے ورنہ سہو ونسیان کا پیش آنا تقاضائے بشر ہوتا ہے۔ عجبا مفعول ثانی ہے اور بعض کے نزدیک یہ مصدر ہے جس کا فعل مضمر ہے۔ ای قال فی اخر کلامه، یاقال موسی فی جوابه عجبت عجبا اور بعض نے عجبا کو سبیلا کی صفت کہا ہے اور بعض نے اتخاذ کی صفت مانا ہے۔ ای سبیلا عجبا او اتخاذ عجبا اور بعض نے اسے حضرت موسیٰ کا فعل قرار دیا ہے۔ ای اتخذ موسی سبیل الحوت فی البحر عجبا کنا نبغ یا کو فواصل کی رعایت سے حذف کر کے کسرہ چھوڑ دیا گیا ہے اور دوسری وجہ حذف یا کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ما موصولہ کا عائد چونکہ حذف کر دیا گیا ہے اس لئے حذف سے حذف کو مناسبت ہوتی ہے پس یا کو بھی حذف کر دیا گیا۔ فوجدا عبدا بعض کی رائے ہے کہ حضرت موسیٰ ویوشع علیہم السلام مچھلی کے پیچھے سرنگ میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت خضر کو بیٹھا دیکھا اور بعض کے نزدیک چٹان پر سفید چادر تانے حضرت خضر لیٹے ہوئے پائے گئے۔ حضرت موسیٰ نے سلام کیا تو اٹھ کر بیٹھ گئے اور جواب میں انہوں نے کہا وعلیک السلام یا نبی بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام نے بطور تعجب کے پوچھا کہ آپ کو میرا پیغمبر ہونا کس نے بتلایا؟ انہوں نے جواب دیا کہ جس نے آپ کو میرا پتہ نشان بتایا اور کہا کہ آپ کو تو بنی اسرائیل کی مصروفیت رہتی ہے پھر آپ یہاں کیسے تشریف لائے؟ فرمایا کہ میں آپ سے کچھ سیکھنے اور اس بارہ میں آپ کی پیروی کرنے آیا ہوں۔ من عبادنا اس میں اضافت تشریف کے لئے ہے۔ خضر اس میں تین لغات ہیں خِضر، خَضر، خِضِر یہ لقب اس لئے ہوا کہ جہاں یہ جاتے وہاں سرسبزی ہو جاتی اور آپ کی کنیت ابوالعباس تھی اور آپ کا نام بلیا ہے تفسیر خازن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بنی اسرائیل میں سے تھے۔ اور بعض نے ان کو ان شہزادوں میں شمار کیا ہے جو تارک الدنیا ہو گئے ہیں۔ ابن عطیہؒ اور بغویؒ اور قرطبیؒ کی رائے ہے کہ اکثر کے نزدیک یہ نبی ہوئے ہیں۔ لیکن قشیریؒ اور اکثر علماء ان کو ولی مانتے ہیں اور من لدنا علما سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو علم لدنی عطا ہوا تھا یعنی علم مکاشفہ اور علم باطن جو کسی ظاہری معلم کے بغیر حاصل ہو۔ اور لفظ عبد کی تفسیر حضرت خضر کے نام سے حدیث میں آئی ہے جیسا کہ واذقال موسی لفتاه میں فتی سے مراد حضرت یوشع ہیں۔ حضرت خضر گم گشتگان راہ کی رہبری کرتے ہیں ظاہراً بھی اور باطناً بھی جیسا کہ اہل اللہ کے واقعات اس پر شاہد ہیں لیکن کنوؤں اور چشموں پر ان کی تعیناتی یا ان کے نام کی نیازیں کرنا، راستوں اور کنوؤں پر چراغ رکھنا وغیرہ باتیں بے اصل ہیں۔ البتہ سکندر ذوالقرنین کے ساتھ ان کا آب حیات پینے کے لئے جانا اور سکندر کا محروم اور ان کا کامیاب ہونا۔ شاید ذوالقرنین کے واقعہ کو واقعہ خضر کے بعد متصلا بیان کرنے سے سمجھا گیا ہو لیکن ان باتوں کا ماننا نہ ماننا اور حضرت خضر کے زمانہ اور خاندان وغیرہ کی تعیین یہ سب باتیں صحیح تاریخی شہادتوں پر موقوف ہیں۔ قام خطیبا قوم قبطی کی تباہی اور مصر میں حضرت موسیٰ کی واپسی کے بعد یہ بلیغ اور مؤثر خطبہ ارشاد فرمایا گیا تھا۔ جس کی تاثیر سے لوگوں کی آنکھیں اشکبار اور دل پگھل گئے تھے۔ فقال انا علم شرائع کے اعتبار سے یہ جواب اگرچہ صحیح تھا۔ کیونکہ نبی سے بڑھ کر علوم شریعت میں دوسرا اور کوئی مخلوق میں نہیں ہوتا لیکن

جواب میں اس طرح کی کوئی قید ذکر نہیں کی گئی تھی اس لئے شبہ ہوسکتا تھا کہ مطلق علم میں انانیت کا دعویٰ کیا گیا ہے جو خلاف واقعہ اور خلاف ادب ہے۔ کیونکہ اول تو سب سے بڑھ کر اللہ کا علم مطلق ہے اور پھر علم شرائع کے علاوہ دوسری قسمیں بھی دوسرے افراد میں پائی جاتی ہیں اس لئے احتیاط کلام کی تعلیم دینے کے لئے اس یقین کا مشاہدہ واقعات کے ذریعہ کرایا گیا۔ لیکن حضرت موسیٰ کا یہ کمال تواضع اور سچی طلب علم ہے کہ انہوں نے استاد بنانے میں اپنے سے چھوٹے کا بھی خیال نہیں کیا اور فوراً سفر شروع کردیا بلکہ اپنے شاگرد یوشع کو بھی ہمراہ لے لیا اور یہ بھی خیال نہ کیا کہ یوشع پر میرا اعتقاد اور اثر کم ہوجائے گا کہیں مجھے چھوڑ کر وہ ان کا دامن نہ پکڑ لے اور اس میں حضرت یوشع کا بھی کمال سمجھنا چاہئے کہ وہ اپنے استاد حضرت موسیٰ سے پھر بھی بے اعتقاد نہ ہوئے۔ اسی کو اصطلاح تصوف میں توحید مطلب کہتے ہیں کہ اپنے مخدوم کے علاوہ سب سے آنکھیں بند کرلی جائیں۔ اور اپنا فائدہ صرف اپنے مخدوم میں منحصر سمجھ لیا جائے کیونکہ عادۃ اللہ یہ ہے کہ فائدہ اسی صورت میں حاصل ہوتا ہے لیکن نظر جب ہر جائی ہو تو کماحقہ کامیابی نہیں ہوسکتی اور مچھلی کی تخصیص شاید اس لئے ہو کہ وہ زندہ ہو کر جب اپنے اصلی ٹھکانہ پر پہنچے گی تو اللہ کی قدرت کا نمایاں طور پر ظہور ہوسکے گا اور اس سے پھر اگلے واقعات سے یقین حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ قال موسیٰ لفتاہ اٰتنا غداء نا جب اگلے روز ظہر کی نماز سے فراغت ہوئی تو بھوک لگی اور صبح کا کھانا طلب فرمایا۔ منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے چونکہ مقصد کی دھن سوار تھی اور اسی میں مگن تھے۔ اسی لئے راستہ کی تکالیف اور صعوبت سفر محسوس نہیں ہوئی۔ لیکن جونہی مقصود اصلی سے آگے قدم دھرا فوراً تھکان محسوس ہونے لگی۔ گویا پہلے قدم اٹھ نہیں رہے تھے بلکہ اٹھائے جارہے تھے اور اب ایک ایک قدم سو سو من کا ہو کر رہ گیا۔

وسأله ذلک یہ ایک شبہ کا جواب ہے، شبہ کی تقریر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک اولوالعزم پیغمبر اور صاحب کتاب وشریعت نبی ہونے کی حیثیت سے یقیناً حضرت خضر سے افضل ہیں۔ پھر ایک افضل شخص اپنے سے کم درجہ شخص کے پاس کیوں جاتا ہے اور کیسے اس سے درخواست کرتا ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ علم میں زیادتی اور اضافہ چونکہ مطلوب ہے اس لئے حضرت موسیٰ نے یہ سب کچھ گوارا کیا۔ پس حضرت موسیٰ اور ان کا علم شریعت اگرچہ افضل تھا اور حضرت خضر اور ان کا علم مکاشفہ اگرچہ مفضول ہیں۔ اسی لئے حضرت موسیٰ نے کسی موقعہ پر بھی اس کی پیروی نہیں کی اور اعتراض کرنے سے نہیں چوکے تاہم مزید شرف وکمال کے لئے حق تعالیٰ نے اس کی تحصیل کا حکم فرمایا۔ پس حضرت موسیٰ اس جملہ سے یہ یقین دلانا چاہتے تھے کہ میرے یہاں آنے کا مقصد بجز تحصیل اور افزائش علم کے اور کچھ نہیں ہے۔ **انک لن تستطیع** اول تو علم شریعت جس کے علمبردار حضرت موسیٰ ہیں اس کے تقاضے مخصوص اور مستقل ہیں اور حضرت موسیٰ انہی تقاضوں کے پابند ہیں کیونکہ دوسرے انسانوں کی راہنمائی ان سے وابستہ ہے ادھر علم مکاشفہ جس کے حامل حضرت خضر ہیں اس کے طور وطریق بالکل الگ ہیں۔ ان میں زیادہ تر تکوینی مصالح ہوتی ہیں پس دونوں کے تقاضے مختلف ہونے کی صورت میں یقیناً توافق نہیں ہوسکے گا۔ نہ حضرت موسیٰ ظاہر شرع کا خلاف دیکھتے ہوئے مداہنت کرسکیں گے۔ اور نہ حضرت خضر تکوینی مصالح کے پیش نظر اپنے مفوضہ فرائض انجام دینے میں کوتاہی کریں گے دوسرے طلبگار علم دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو بالکل سیکھتڑ اور ناواقف مبتدی، ان کا معاملہ تو نہایت سہل اور آسان ہوتا ہے جو کہہ دیا اور بتلا دیا اسی پر وہ قناعت کرتے ہیں۔ لیکن دوسری قسم ان طلب گاروں کی ہوتی ہے جو خود بھی ماہر ہوتے اور مہارت ہی کی خاطر وہ پوری بصیرت سے چلنا چاہتے ہیں انہیں عامیانہ سطحی اور تقلیدی انداز مطمئن نہیں کرسکتا۔ پس یہاں حضرت موسیٰ جس دریا کے شناور تھے ان کو سیری بغیر تحقیق اور چھان پھٹک کے نہیں ہوسکتی تھی۔ ادھر حضرت خضر جس

کوچہ کے واقف کار تھے، وہاں گم سم رہنا ہی اصل کمال تھا ہر بات میں کنج کاؤ، کھوج، کرید نا مناسب تھی۔ غرضیکہ ایک جگہ قیل وقال باعث کمال اور دوسری جگہ لائق زوال اس لئے بھی دونوں کا نبھاؤ مشکل نظر آیا۔ ان دونوں طالبوں کی راہوں کے فرق کو بعض عرفا واہل علم نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے "ہر طالبے کے چون وچرا کند وہر طالب علمے کہ چون وچرانہ کند ہر دوراد رچراگاہ باید فرستاد"۔ انی علی علم اس سے مراد علم مکاشفہ ہے۔ جو باعث افضلیت ہوتا ہے چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کے بارہ میں آیا ہے کہ وہ اگرچہ عام صحابہ سے نماز روزہ میں بڑھے ہوئے نہیں تھے لیکن انما فضلهم بشئ وقرفی صدره وهو علم المكاشفة چنانچہ اگر علوم شرع کے ساتھ کسی کو علم باطن کی دولت بھی حاصل ہوجائے تو سبحان اللہ ورنہ تنہا علم مکاشفہ علم شرع کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ستجدنی انشاء الله علم ظاہر شریعت کی پابندی کرتے ہوئے حضرت موسیٰ نے انشاء اللہ کہا یعنی اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ اللہ کے حوالہ کردیا لیکن حضرت خضر کا علم چونکہ کشفی تھا انہیں تکوینا معلوم تھا کہ یہ خلاف شرع پر صبر نہیں کرسکیں گے۔ اس لئے انہوں نے صاف طور پر لن تستطیع معی صبرا بغیر تحقیق کے کہہ دیا۔ فلا تسئلنی الخ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت خضر جو کچھ بھی کر رہے تھے۔ وہ بھی مبنی بر مصالح تھا اس میں بھی تکوینی حکمتیں تھیں اس لئے تنبیہ کرنی پڑی کہ تاوقتیکہ ان مصالح کو خود بیان نہ کروں خاموش دیکھتے رہنا۔ اپنی طرف سے سوال میں پہل نہ کرنا چہ جائیکہ مناقشہ قائم کردینا۔ ایک متعلم کو اپنے معلم کے ساتھ انہی آداب کے ساتھ رہنا چاہئے۔ اور معلم کو متعلم سے مناسب شرطیں طے کرنے اور منوانے کا حق ہے۔ فانطلقا اس موقع پر حضرت یوشع بھی اگرچہ ساتھ تھے۔ مگر اصل مقصود حضرت موسیٰ اور حضرت خضر ہیں۔ اس لئے تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا گیا۔ حتی اذا رکبا فی السفینة کشتی میں کچھ لوگوں نے شبہ بھی کیا کہ یہ چوراچکے معلوم ہوتے ہیں جو بغیر سامان کے سفر کر رہے ہیں، لیکن کشتی بان ان کی صورتوں اور لباس سے متاثر ہوا اور اس خیال کی تردید کرنے لگا۔ اور ابی ابن کعبؓ کی روایت میں ہے کہ حضرت خضر کو پہچان کر بغیر کرایہ کے سب کو سوار کرلیا لیکن کشتی جب بھنور میں جاکر پہنچی تو بجائے اس کے کہ اس کو نکالنے میں مدد دیتے، الٹا اس پر تبر چلانے لگے اور نیچے سے تختے نکال کر دراڑ پیدا کردی جس سے کشتی کے لئے خطرات پیدا ہوگئے، کہتے ہیں کہ اس موقع پر ایک چڑیا تختے پر آ بیٹھی اور اس نے سمندر میں چونچ ڈال کر پانی پیا تو حضرت خضر نے حضرت موسیٰ کو توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ جو نسبت اس کے چونچ پر لگے ہوئے پانی کو سمندر کے پانی سے ہے وہی نسبت ہمارے علم کو علم الٰہی سے ہے۔ بما نسیت صحیح روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ سے اول وعدہ کا نسیان ہوا ہے، اسی لئے مفسرؒ علام نے نسیت کا ترجمہ غفلت کے ساتھ کیا ہے۔ یعنی آپؑ نے جو خاموش رہنے کی تلقین اور وصیت کی تھی مجھے اس کا ذہول ہوگیا اور بعض نے نسیان سے مراد مطلقا ترک لیا ہے، بہر حال پہلا سوال تو بھول سے ہوا۔ لیکن دوسری مرتبہ دریافت کرنا بطور شرط کے ہوا اور تیسری مرتبہ کا سوال علیحدگی کے لئے ہوا۔ لم یبلغ الحنث حنث کے کئی معنی آتے ہیں، قسم توڑنا، گناہ کرنا، لیکن یہاں لازم معصیت یعنی حد تکلیف کے معنی مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ لڑکا غیر مکلف تھا اس لڑکے کا نام جیسور تھا۔ فقتله مفسر علامؒ نے تین قول بیان کئے ہیں جیسا کہ اثر سے ثابت ہے اور تینوں قول جمع بھی ہوسکتے ہیں کہ پہلے اس لڑکے کو دیوار سے دے مارا، پھر زمین پر ڈال کر ذبح کر ڈالا اور گردن الگ کردی بغیر نفس اس کا تعلق لفظ اقتلت سے بھی ہوسکتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ محذوف کی صفت بھی ہوسکتی ہے۔ ای قتلا بغیر نفس ممکن ہے ان کی شریعت میں بچہ سے قصاص لینے کا قانون ہو۔ جیسا کہ ابتداء اسلام میں ہجرت سے پہلے ہمارے یہاں بھی بچوں سے بھی قصاص کا قانون تھا۔ بقول بیہقیؒ غزوۂ احد کے بعد صرف بالغوں کے لئے قصاص خاص ہوا شیخ تقی الدین سبکی نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ نکرا کشتی میں دراڑ ڈالنے کو شیئا امرا سے تعبیر کیا تھا اور یہاں چھوٹے بچہ کے مار ڈالنے کو شیئا نکرا

سے بیان کیا ہے یہ بتلانے کے لئے کہ یہ جرم پہلے قصور سے بڑھ کر ہے کیونکہ کشتی کے نقصان کی تلافی تو ممکن ہے لیکن مردہ بچہ کو زندہ کرنا عادۃً ممکن نہیں ہے اور بعض نے اس کے برعکس مطلب کہا ہے کہ پہلا نقصان دوسرے سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہاں صرف ایک بچہ کا اتلاف ہے اور کشتی ڈوبنے سے بہت سوں کا اتلاف ہوسکتا تھا۔

ربط آیات: .... پچھلی آیات میں چونکہ سرداران مشرکین کی اس درخواست کی برائی بیان کی تھی کہ وہ چاہتے تھے ہماری تعلیم وتبلیغ کے وقت آنحضرت ﷺ کی مجلس میں مسلمان فقراء اور غرباء شریک نہ ہوں اس لئے آیت **واذقال موسیٰ الخ** میں حضرت موسیٰ وخضر کی ملاقات کا واقعہ بیان کرکے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے باوجود اکمل وافضل ہونے کے اپنے سے چھوٹے حضرت خضر سے استفادہ کرنے اور ان کو استاد بنانے میں بھی کوئی عار نہیں محسوس کی۔ مگر افسوس کہ تمہیں ان غریبوں کے محض شریک تعلیم ہونے سے بھی عار آتی ہے اور اس قصہ کے بتلانے سے آپ کی نبوت بھی ثابت ہوگئی۔ اسی طرح اوپر کی آیات میں اس حقیقت کو بتلایا گیا تھا کہ منکروں کی سرکشیوں کا نتیجہ اچانک ظاہر ہونے اور ان کی خوشحالیاں چھن جانے کے اگرچہ کافی اسباب پائے جاتے ہیں مگر ایک بڑی رکاوٹ بھی ہے اور وہ ہے قانون رحمت کہ ایک خاص وقت تک رحمت الٰہیہ کی وجہ سے عذاب رکا ہوا ہے۔ جوں ہی وہ مقررہ آن آ پہنچی پھر ان کے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ **واذقال موسیٰ** میں اسی معاملہ کے ایک دوسرے پہلو کو لایا جارہا ہے۔ فرمایا کہ بلاشبہ موجودہ حالت ایسی ہی ہے کہ سرکشوں کے لئے کامرانیاں دکھائی دیتی ہیں اور مومنوں کے لئے محرومیاں لیکن صرف اتنی ہی بات دیکھ کر حقیقت حال کا فیصلہ نہ کرلو، یہاں معاملات کی حقیقت وہی نہیں ہوا کرتی جو بظاہر دکھائی دیا کرتی ہے۔ کتنی ہی اچھائیاں ہیں جو فی الحقیقت برائیاں ہوتی ہیں اور کتنی ہی برائیاں ہیں جو فی الحقیقت اچھائیاں ہوتی ہیں تمہاری عقل صرف ظواہر کو دیکھ کر حکم لگادیتی ہے مگر نہیں جانتی کہ ان ظواہر کی تہہ میں کتنے بواطن پوشیدہ ہیں۔ سرکشوں کے لئے اس وقت کامرانیاں ہیں اور مومنوں کے لئے محرومیاں۔ لیکن کیا فی الحقیقت سرکشوں کی کامرانیاں ہیں اور مومنوں کی محرومیاں، محرومیاں۔ اس کا فیصلہ تم نہیں کرسکتے۔ جب پردہ اٹھے گا تو دیکھ لوگے کہ حقیقت حال کیا تھی۔ چنانچہ اس حقیقت کی وضاحت کے لئے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہم السلام کی باہمی ملاقات کا واقعہ پیش کیا جارہا ہے حضرت خضر کو جو علم خاص دیا گیا تھا تو یقیناً بعض چیزوں کے اسرار ورموز اور بواطن ان پر کھول دیئے گئے تھے۔ ان دونوں بزرگوں کی ملاقات میں تین موڑ ایسے آئے کہ ہر مرتبہ حضرت موسیٰ خاموش رہنے کا ارادہ اور عہد کرتے تھے لیکن ان کا ارادہ نہ چل سکا اور ہر مرتبہ بول اٹھے اس سے معلوم ہوا کہ انسانی عقل کسی درجہ میں مجبور بھی ہے کہ ظواہر پر حکم لگائے وہ اس سے رک نہیں سکتی مگر کہا جائے گا کہ وہ یہیں آکر ٹھوکر کھاتی ہے کہ بواطن وحقائق تک نہیں پہنچ سکتی، حضرت خضر نے تین کام کئے، تینوں کا ظاہر برا تھا لیکن تینوں کی تہہ میں بہتری تھی۔ حضرت موسیٰ ظاہر دیکھ رہے تھے لیکن حضرت خضر پر اللہ نے باطن روشن کردیا تھا اگر اسی طرح ہر کام میں ظاہر کا پردہ اٹھ جائے اور وہ حقیقتیں سب کے سامنے آجائیں جو حضرت خضر کے سامنے آگئی تھیں تو دنیا کا کیا حال ہو؟ سارے احکام کس طرح بدل جائیں؟ مگر حکمت الٰہی یہی ہے کہ پردہ نہ اٹھے کیونکہ اس پردہ سے عمل کی ساری آزمائش قائم ہے اور ضروری ہے کہ آزمائش ہوتی رہے۔

﴿تشریح﴾: .... واقعہ کی تفصیل حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو نہایت مؤثر اور بیش بہا نصیحتیں فرمارہے تھے کہ لوگوں کی آنکھیں شدت تاثر سے بہہ نکلیں اور دل کانپ اٹھے۔ ایک شخص نے پوچھا اے موسیٰ: کیا روئے زمین پر آپ اپنے سے بڑا عالم کسی کو پاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں: یہ جواب واقع میں اگرچہ صحیح تھا کیونکہ والوالعزم پیغمبر ہونے کی وجہ سے

اس زمانہ میں اسرار شریعت ان سے زیادہ جاننے والا اور کون ہوسکتا تھا، تاہم عنوان جواب اور تعبیر کے عموم سے ظاہر ہوتا تھا کہ روئے زمین پر وہ خود کو ہر طرح سب سے بڑھ کر عام خیال کررہے ہیں اس لئے حق تعالیٰ کو یہ الفاظ اور دعوے کا لب ولہجہ پسند نہیں آیا۔ اللہ والے اگر سب سے افضل اور بہتر بھی ہوں تو اپنے آپ کو بہتر نہیں سمجھتے اور کہتے اور کبھی بھول چوک سے کہہ گزریں تو حق تعالیٰ کی طرف سے انہیں تنبیہ وتادیب کردی جاتی ہے۔ یہاں بھی اللہ کی مرضی یہ تھی کہ جواب میں اللہ کے علم محیط کے حوالہ کرکے یہ کہتے کہ اللہ کے مقبول ومحبوب بندے بہت سے ہیں جن کا حال اسے ہی معلوم ہے۔ چنانچہ حضرت خضر کی ملاقات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ بعض علوم میں وہ موسیٰ سے بڑھ کر نکلے اگرچہ ان علوم کو قرب الٰہی میں کچھ دخل نہ ہو۔ مگر مطلقاً اپنے کو سب سے بڑا عالم کہنا تو صحیح نہ رہا۔

مجمع البحرین سے کیا مراد ہے؟:............ مجمع البحرین سے کیا مراد ہے۔ مفسر علامؒ نے بحر فارس اور بحر روم مراد لیا ہے لیکن یہ دونوں دریا ملتے نہیں ہیں شاید ملاپ سے ان کا نزدیک ہونا ہوگا یعنی دونوں کا فاصلہ کم رہ جانا اور بعض نے افریقہ کے دو دریا مراد لئے ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک وہ مقام مراد ہے جہاں پہنچ کر دجلہ اور فرات، دونوں خلیج فارس میں جا گرتے ہیں۔ بہرحال حضرت موسیٰ نے درخواست کی کہ مجھے ان کا پورا پتہ نشان بتلا دیا جائے تاکہ سفر کرکے ان سے کچھ استفادہ کرسکوں، حکم ہوا کہ ان کی تلاش میں نکلو، تو ایک مچھلی تل کر ساتھ رکھ لو، جہاں مچھلی گم ہوو ہیں سمجھنا کہ وہ بندہ موجود ہے، گویا مجمع البحرین سے جو ایک وسیع خطہ مراد ہوسکتا تھا اس کی پوری تعیین کے لئے یہ علامت مقرر فرمادی، موسیٰ علیہ السلام نے ہدایت الٰہی کے مطابق اپنے خاص خادم حضرت یوشع کو ساتھ لے کر سفر شروع کردیا اور تاکید کردی کہ دیکھو مچھلی کا خیال رکھنا میں اس وقت تک برابر سفر کرتا رہوں گا جب تک منزل مقصود تک نہ پہنچ جاؤں اگر فرض کرو برس اور قرن بھی گزر جائیں تب بھی مقصد حاصل کئے بغیر سفر سے نہ ہٹوں گا۔

آب حیات اور قدرت کی نشانیاں:............ غرضیکہ ایک چٹان پر جس کے نیچے ''آب حیات'' کا چشمہ جاری تھا حضرت موسیٰ سو گئے یوشع نے دیکھا کہ مچھلی نے زنبیل سے نکل کر دریا میں جست لگادی اور عجیب طریقہ سے دریا میں سرنگ بناتی اور سوراخ کرتی چلی گئی، یوشع کو حیرت ہوئی اور چاہا کہ حضرت موسیٰ بیدار ہوں تو ان سے عرض کروں، لیکن یوشع نہ معلوم کن حالات میں کھو گئے اور کہنا بھول گئے۔ ایسی عجیب بات کا بھول جانا اگرچہ عجیب ہے مگر جو شخص عجائب وغرائب اور خوارق کا مشاہدہ کرتا رہتا ہو وہ کسی غیر معمولی بات کو بھی اپنے معمول کے مطابق ہی پائے گا۔ اس لئے اگر کسی خیال کے غلبہ سے اس سے ذہول ہوجائے تو حیرت نہیں ہونی چاہئے۔ اور روایات میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے جب یوشع سے چلتے وقت مچھلی کی خبر گیری کو کہا تھا تو ان کی زبان سے نکل گیا تھا کہ یہ کوئی مستقل اور بڑا کام نہیں اس لئے یہاں متنبہ کیا گیا کہ چھوٹے سے چھوٹے کام میں بھی انسان کو اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ غرضیکہ نہ یوشع کو کہنا یاد رہا اور نہ حضرت موسیٰ کو پوچھنے کا دھیان رہا۔ حضرت موسیٰ کو پورے سفر میں کہیں تھکان محسوس نہیں ہوئی جب مطلب چھوٹ رہا تھا اس وقت چلنے سے تھکان محسوس ہوئی اور وما انسانیہ الا الشیطان کا مطلب یہ ہے کہ مطلب کی بات بھول جانا اور یادداشت کے عین موقعہ پر ذہول ہوجانا شیطان کی کرتوت ہے لیکن یوشع جب کہ نبی ہیں پھر ان پر شیطان کا تصرف نسیان کیسے ہوا؟ جواب یہ ہے کہ ایسے تصرفات میں کوئی حرج نہیں جب تک وہ کسی برائی اور گناہ تک نہ پہنچادیں۔ جیسے کسی کافر کے پتھر مار دینے سے نبی کے چوٹ لگ جائے ایسے ہی یہ بھی ہے اور مچھلی کے دریا میں چھلانگ لگانے کو عجیب اس لئے کہا کہ...... اول تو خود تلی ہوئی مچھلی کا زندہ ہونا عجیب تھا۔ دوسری پانی جیسی سیال چیز کا سرنگ کی شکل میں کچھ دیر کے لئے ...... تبدیل ہوکر برقرار رہنا عجیب تر تھا۔

حضرت خضر نبی تھے یا ولی؟: .... حضرت خضر کی نبوت وولایت میں اختلاف ہوا ہے۔تاہم محققین کا رجحان ان کی نبوت کی طرف ہے جو انبیاء مستقل شریعت لے کر آتے ہیں ان کو تصرف واختیار من جانب اللہ عطا ہوتا ہے کہ خاص مصالح کے پیش نظر شریعت کے کسی عام حکم کی تخصیص یا مطلق کی تقیید یا کسی عام ضابطہ سے کچھ جزئیات کو الگ کر سکتے ہیں، اسی طرح کے جزئی تصرفات کے اختیارات حضرت خضر کو حاصل تھے۔یا کہا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسرار الٰہیہ میں بڑھے ہوئے تھے جنہیں قرب الٰہی میں بڑا دخل ہوتا ہے اور حضرت خضر علیہ السلام اسرار کونیہ میں بڑھے ہوئے تھے اگر چہ قرب الٰہی میں ان اسرار کونیہ کو کوئی دخل نہ ہو۔غرضیکہ حضرت موسیٰ وخضر کی ملاقات ہوئی۔علیک سلیک کے بعد حضرت خضر نے آنے کا سبب پوچھا، حضرت موسیٰ نے مقصد ملاقات بتلا دیا خضر بولے اے موسیٰ: بلاشبہ آپ اسرار الٰہیہ کے امین ہیں پر بات یہ ہے کہ اسرار کونیہ کا علم مجھے عطا ہوا ہے ایک میں تم بڑھے ہوئے ہو، ایک میں میں،اس کے بعد ایک چڑیا جو دریا میں سے پانی پی رہی تھی اسے دکھا کر خضر نے کہا کہ ساری مخلوق کا علم اللہ کے علم کے سامنے ایسا ہے جیسے اس کی چونچ پر لگا ہوا پانی دریا کے سامنے، یہ بھی محض سمجھانے کے لئے کہا.....ورنہ ایک متناہی علم کو غیر متناہی علم سے کیا نسبت۔متاثر ہو کر حضرت موسیٰ نے ان کے ساتھ رہنے کی خواہش کی۔معلوم ہوا کہ طلب علم کی درخواست طالب علم کی جانب سے ہونی چاہئے۔لیکن حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزاج وغیرہ کا اندازہ کر کے سمجھ لیا کہ میرا ان کا نبھاؤ نہیں ہو سکے گا کیونکہ حضرت خضر واقعات کونیہ کا جزئی علم پا کر اس کے موافق عمل کرنے پر مامور تھے اور حضرت موسیٰ جن علوم کے حامل تھے ان کا تعلق تشریعی قوانین وکلیات سے تھا پس جن جزئیات میں عوارض اور خصوصیات کی وجہ سے ظاہرا عام ضابطہ پر عمل نہ ہوگا۔حضرت موسیٰ اپنی معلومات اور فرض منصبی کے اعتبار سے ضرور ان پر روک ٹوک کریں گے۔آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ جدا ہونا پڑے گا اور یوں بھی متعلم کی طرف سے معلم پر روک ٹوک اور اعتراض کی صورت میں تعلیمی سلسلہ کا باقی اور جاری رہنا مشکل ہو جاتا ہے مگر حضرت موسیٰ نے طالبعلمانہ صورت کو برقرار رکھتے ہوئے۔ان شرطوں کی منظوری دیتے ہوئے صبر وسکون سے رہنے کا وعدہ کر لیا جس سے معلوم ہوا کہ طالب صادق کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔مگر وعدہ کرتے وقت غالبا موسیٰ علیہ السلام کو اس کا تصور بھی نہ ہوگا کہ ایسے مقبول ومقرب بندے سے کوئی ایسی حرکت دیکھنے میں آئے گی جو علانیہ ان کی شریعت بلکہ عام انسانی اخلاق اور شرائع کے بھی خلاف ہو،غنیمت ہوا کہ انہوں نے انشاء اللہ کہہ دیا تھا ورنہ ایک قطعی وعدہ کی خلاف ورزی کرنا ایک اولوالعزم پیغمبر کے شایان شان نہ ہوتا۔معلم کی طرف سے مناسب اور ضروری شرطوں کا مان لینا ایک سچے طالب علم کی شایان شان ہے۔حضرت خضر نے پیش بندی کے طور پر یہ پابندی لگا دی کہ اگر کوئی بات بظاہر ناحق نظر آئے تو فورا مجھ سے باز پرس نہ کرنے لگنا جب تک میں خود اپنی طرف سے کہنا شروع نہ کروں چپ رہنا، از خود بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔

سفر کے تین اہم واقعات: .... غرضیکہ ناؤ کے ذریعہ دریائی سفر کرنا طے ہوا۔ناؤ والوں نے پہچان کر مفت سوار کر لیا لیکن کچھ دور چل کر جب حضرت خضر نے کشتی کے نچلے تختے توڑ کر دراڑ ڈال دی تو اس احسان کے بدلہ میں یہ نقصان دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کو تاب نہ رہی اور بول اٹھے کہ کیا آپ لوگوں کو ڈبونا چاہتے ہیں؟ کشتی کے تختوں کا توڑنا کنارہ کے قریب جا کر ہوا ہوگا اور یا اتنا توڑا ہوگا کہ کشتی غرق نہ ہو جائے البتہ عیب دار کر دی تھی۔بہرحال لوگوں کا ڈوبنا اور نقصان اٹھانا اگر چہ یقینی نہیں تھا مگر متحمل ضرور تھا اور جب تک کوئی مصلحت غالب نہ ہو اس وقت تک احتمال ضرر سے بچنا بھی ضروری ہوتا ہے اور یہاں بظاہر کوئی مصلحت معلوم نہیں ہوتی۔اس لئے

حضرت موسیٰ نے روک ٹوک فرمائی۔ حضرت خضر نے کہا آخر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا کہ اپنے قول پر نہ ٹھہر سکے اور فوراً چھلک گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے معذوری انداز میں فرمایا کہ مجھے بالکل خیال نہیں رہا تھا بھول چوک پر بھی اگر آپ گرفت کریں گے تو ساتھ رہنا یقیناً مشکل ہو جائے گا۔ خیر "گذشتہ راصلوٰۃ آئندہ را احتیاط" بات آئی گئی ہوئی۔ دونوں کسی آبادی کی طرف چلے، ایک گاؤں کے قریب کچھ لڑکے کھیل رہے تھے ان میں سے ایک ہونہار اور خوبصورت لڑکے کو پکڑ کر جان سے مار ڈالا اور چل کھڑے ہوئے، یہ لڑکا بالغ تھا یا نابالغ دونوں ہی قول ہیں۔ جمہور مفسرینؒ نے نابالغ کہا ہے۔ اور لفظ غلام اور زکیۃ بھی اس کے مؤید ہیں۔ بہر حال اس بھیانک اور دلدوز منظر کو دیکھتے ہی موسیٰ علیہ السلام بے تاب ہو گئے اور چیخ اٹھے کہ اول تو نابالغ قصاص میں بھی قتل نہیں کیا جا سکتا، اس پر طرہ یہ کہ یہاں قصاص کا بھی کوئی قصہ نہیں، بے خطا بے قصور ایک معصوم بچہ کو بے دردی سے مار ڈالا اس نے آپ کا کیا بگاڑا تھا بھلا اس سے بڑھ کر اور کون سی بات ہوگی؟ حضرت موسیٰ کے طیش میں آنے کی غالباً یہ وجہ بھی ہوگی کہ کشتی کے واقعہ میں نقصان مال اگرچہ یقینی تھا مگر جانی نقصان کا صرف احتمال تھا۔ مگر یہاں تو جانی نقصان کھلی آنکھوں نظر آ رہا ہے اور وہ بھی ایک معصوم بچہ کا اور پھر بے قصور بھلا اس کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے؟ حضرت موسیٰ کا پہلا پوچھنا بھول سے تھا اور یہ پوچھنا بطور اقرار کے ہوا اور تیسرا پوچھنا رخصتی ہو گیا۔ خضر نے کہا ہم نے کہا نہیں تھا کہ ایسے حالات و واقعات پیش آئیں گے جن پر تم خاموشی سے صبر نہیں کر سکو گے؟ آخر وہی ہوا نہ، موسیٰ علیہ السلام بولے خیر اب کے اور جانے دیجئے، آئندہ پھر اگر ایسی بات ہوئی تو بے شک مجھے کوئی عذر نہیں ہوگا۔

شبہات و جوابات: .... (۱) کچھ اہل کتاب کہتے ہیں کہ یہ واقعہ مشہور پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پیش نہیں آیا، ورنہ تورات وانجیل پچھلی کتابوں میں ضرور ذکر ہوتا، جواب یہ ہے کہ اول تو اہل کتاب کی بعض کتابیں چونکہ دنیا سے ناپید ہو چکی ہیں اس لئے ممکن ہے ان گمشدہ کتابوں میں یہ واقعہ بھی مذکور ہو، اور اب ان کتابوں کے گم ہونے سے یہ واقعہ بھی لوگوں کو معلوم نہ رہا ہو۔ دوسرے ہمارے پیغمبر کی حدیثوں میں آیا ہے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہی پیش آیا ہے۔ پس پچھلی کتابیں زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس سے ساکت ہیں، اور ہماری کتابیں اس کو مانتی ہیں اور ثبوت، انکار کے مقابلہ قابل ترجیح ہوتا ہے چہ جائیکہ سکوت کے مقابلہ میں وہاں تو اور بھی راجح ہونا چاہئے (۲) بعض اس سفر اور اس واقعہ کا انکار کرتے ہیں کیونکہ اگر یہ سفر ہوا ہوتا تو بنی اسرائیل میں ضرور مشہور ہوتا؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کی غباوت کے خیال سے کہ طرح طرح کے شبہات اور فتنہ میں لوگ مبتلا ہو جائیں گے کسی سے تذکرہ نہ کیا ہو اور بنی اسرائیل کے لوگ سمجھے ہوں کہ حسب عادت وضرورت کہیں تشریف لے گئے ہوں گے اس لئے مشہور نہیں ہوا۔ اور یا لوگوں کو آپ کا جانا معلوم ہوا ہو لیکن اس خیال سے کہ لوگوں میں حضرت موسیٰ کی سبکی ہوگی کہ اتنے بڑے عالم ہو کر دوسرے کے پاس سیکھنے کے لئے گئے اس واقعہ کا لوگوں میں چرچا نہ ہونے دیا اور آہستہ آہستہ پھر یہ تذکرہ ہی موقوف ہو گیا ہو (۳) حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے اس واقعہ سے بعض لوگوں کو دھوکا ہو گیا ہے کہ علم باطن، علم شریعت سے افضل ہے؟ جواب یہ ہے کہ علم باطن کے دو شعبے ہیں (۱) مرضیات الٰہی کا علم، جس کا تعلق نفس سے ہے اور (۲) اسرار کونیہ کا علم، پس پہلا علم تو شریعت کا ایک جز ہے اور ظاہر ہے کہ جز کبھی بھی کل سے افضل نہیں ہو سکتا پھر علم باطن شریعت سے کیسے افضل ہوا۔ رہا دوسرا شعبہ سو اسے چونکہ مرضیات الٰہی میں کچھ دخل نہیں اس لئے اس کے افضل ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں ہو سکتا (۴) اسی طرح اس سے بعض کو یہ دھوکا ہوا ہے کہ خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ سے .... افضل ہوئے۔ جواب یہ ہے کہ حضرت خضر کو علم باطن کے دوسرے شعبہ کا حاصل ہونا اس قصہ سے معلوم ہوا اور ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ وہ علم شریعت سے کمتر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا پھر حضرت خضر افضل کیسے ہوئے بلکہ اس سے تو حضرت موسیٰ کی افضلیت ثابت ہوئی۔ رہا حضرت خضر کے پاس حضرت موسیٰ کا تشریف لے جانا سو اس کی

بنیاد خضر کی افضلیت نہیں تھی بلکہ حضرت موسیٰ کو کلام میں احتیاط کرنے اور بولنے میں ادب کی رعایت رکھنے کی تعلیم دینا مقصود تھا کہ آئندہ اپنے مرتبہ کی شان کے مناسب دیکھ بھال کر بولا کریں۔ اور مقید کی جگہ مطلق نہ بول دیا کریں (۵) بعض کو یہ دھوکا ہوگیا ہے کہ پھر اگر کوئی کام خلاف شرع بھی کرے تو اس پر انکار واعتراض نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ اسی قصہ کے سلسلہ میں حدیث میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اگر صبر کرتے تو خوب ہوتا۔ یعنی اگر اعتراض نہ کرتے اور خاموشی سے دیکھتے رہتے تو نہ معلوم کتنے عجائبات کھلتے مگر انہوں نے بول کر بندش لگادی۔ چنانچہ مشہور ہے۔

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید　　　که سالک بے خبر نہ بود ز راہ ورسم منزلہا

جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا باکمال ہونا تو نص سے معلوم تھا اس لئے انہیں خلاف ظاہر پر خاموش رہنے کی گنجائش تھی ان کے لئے چپ رہنا جائز تھا۔ دوسروں کو ان پر قیاس کرکے خاموش رہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ حضرت خضر نے جن رازوں کو بیان کیا وہ اگرچہ حضرت موسیٰ کے علوم کے برابر مفید عام نہیں تھے کیونکہ وہ لائق اتباع نہیں لیکن اس معنی کو مفید خاص ضرور تھے کہ ان کے ذریعہ بعض حکمتیں مفصل طور پر منکشف ہوئیں۔ اگرچہ قرب الٰہی کے لئے صرف اتنا اجمالی عقیدہ بھی کافی ہوسکتا ہے کہ ہر کام میں حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہوتی ہیں مگر حکمتوں کی تفصیل معلوم ہونے سے جو خاص فائدہ ہوتا ہے وہ اپنی جگہ ناقابل انکار ہے۔ حدیث بالا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خاموش رہنے کے لئے حضرت موسیٰ کے خاموش رہنے کے لئے حضرت موسیٰ کے متعلق تمنا فرمائی ہے اس کا منشاء قصے اور واقعات سننا نہیں بلکہ خود ان اسرار اور رموز کی تمنا ہے جو حضرت موسیٰ کے خاموش رہنے کی صورت میں زیادہ ساتھ رہنے اور حضرت خضر کے ازخود بیان فرمانے سے حاصل ہوتے کیونکہ حضرت موسیٰ چپ رہتے تو حضرت خضر کے ساتھ رہنے کا موقعہ زیادہ ملتا اور زیادہ واقعات اور ان کے اسرار سامنے آتے جنہیں موقعہ بموقعہ حضرت خضر علیہ السلام ازخود بیان فرمادیتے لیکن ملاقات کے طول نہ دینے اور مختصر کردینے میں بھی نہ معلوم خدائی مصلحتیں کتنی ہوں گی (۶) بعض کو دھوکا ہوا ہے کہ الہام اگر خلاف شرع ہو تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ حضرت خضر اپنے الہامات پر عمل کررہے تھے مگر وہ الہامات حضرت موسیٰ کی شرع کے خلاف تھے۔ اسی لئے تو ہر موقعہ پر انہوں نے نکیر فرمائی ہے۔ جواب یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام اگر خود نبی تھے تب تو کوئی اشکال ہی نہیں کیونکہ ہر نبی اپنی شریعت اور الہام کے مطابق عمل کرتا ہے ایک کو دوسرے کی تقلید کرنا ضروری نہیں ہے اور اگر حضرت خضر نبی نہیں، بلکہ ولی تھے تو ممکن ہے پہلی شریعتوں میں اس کی گنجائش ہو کہ ولی اپنے الہام پر عمل کرسکتا ہو چاہے وہ اس شرع کے خلاف ہو، مگر ہماری شریعت میں ایسا کرنا جائز نہیں۔

خلاف پیمبر کسے راہ گزید　　　که ہرگز بمنزل نخواہد رسید

(۷) حضرت موسیٰ کے بولنے پر جب حضرت خضر نے نکیر فرمائی تو حضرت موسیٰ نے یہ کیوں نہ فرمایا کہ تمہارے یہ سب کام خلاف شرع ہیں؟ جواب یہ ہے کہ غصہ فرو ہونے کے بعد اجمالاً اتنا حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے تھے کہ حق تعالیٰ نے جب مجھے ان کے پاس بھیجا تو ضرور ان کا فعل اللہ کی مرضی کے موافق ہوگا (۸) موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کرنے کے بعد پھر کیوں اعتراض کیا؟ یہ تو وعدہ کی خلاف ورزی ہوئی جو ایک پیغمبر کے شایان شان نہیں اور پھر بار بار ایسا کرنا تو اور بھی برا ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ وعدہ موسیٰ علیہ السلام نے بطور خود کیا تھا منجانب اللہ ان کو یہ حکم نہیں ہوا تھا اور اس کی پابندی کرنے اور اس پر قائم رہنے میں خود انہی کا فائدہ تھا۔ اور پابندی نہ کرنے میں حضرت خضر کا کوئی نقصان نہیں تھا۔ بالخصوص جب کہ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام صبر نہیں کرسکیں گے

اور جو کام شرعاً واجب نہ ہو بلکہ کوئی اپنی مصلحت سے اپنے اوپر لازم کرلے اور اس کے چھوڑنے میں دوسرے کا نقصان بھی نہ ہو تو ایسے کام کا نہ کرنا شرعاً گناہ نہیں ہوگا پس وعدہ خلافی کا گناہ لازم نہیں آیا۔ اور جیسے ایک دفعہ ایسے وعدہ کا خلاف کرنا جائز ہے، بار بار بھی خلاف ورزی کی گنجائش نکل سکتی ہے اس لئے کوئی شبہ نہیں رہا اصل سبب اس وعدہ کا محض خوش طبعی ہوگا جو کاملین کی طرف سے بھی کبھی کبھی پیش آسکتی ہے۔

لطائف آیات:............آیت واذقال موسٰی الخ سے شیخ کامل کی تلاش میں حددرجہ کوشش کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ بشرطیکہ اس سے بڑھ کر کوئی واجب حق نہ چھوٹتا ہو۔ آیت نسیا حوتھما الخ سے ثابت ہوا کہ زادراہ وغیرہ اسباب کا سفر میں ساتھ رکھنا خلاف توکل نہیں ہے۔ آیت لقد لقینا من سفرنا الخ سے معلوم ہوا کہ بیماری وغیرہ کسی حالت کو ظاہر کرنا خلاف توکل نہیں ہے۔ آیت وما انسانیہ الخ سے معلوم ہوا کہ شیطانی اثر اور تصرف سے وسوسہ اور بھول چوک کا پیش آجانا ولایت کے خلاف تو کیا، نبوت کے بھی منافی نہیں ہے۔ البتہ اتنا شیطانی تصرف جو گناہ تک پہنچادے وہ بے شک نبوت کے شایان شان نہیں مگر وہ ثابت نہیں ہے۔ آیت وعلمنٰہ من لدنا علما سے جس علم لدنی کا عطا ہونا معلوم ہوا ممکن ہے وہ وحی یا الہام کے ذریعہ سے ہوا ہو اور یہ الہام انبیاء اور اولیاء دونوں کو ہوتا ہے۔ اس علم لدنی کو علم حقیقت اور علم باطن ہی کہتے ہیں۔ جن واقعات کا ذکر اس قصہ میں کیا گیا ہے ان کا علم اگرچہ علم لدنی کی اس نوع میں داخل ہے جو حضرت خضر کو عطا ہوا۔ بہرحال یہ آیت علم لدنی کی اصل ہے۔ آیت ھل اتبعک الخ میں حضرت موسیٰ کی طرف سے ادب و تواضع اور لطف کی کس قدر رعایت ہے جو سلوک وتعلیم کے لئے نہایت ضروری ہے۔ آیت فان اتبعتنی الخ سے معلوم ہوا کہ شیخ کو مرید سے مناسب شرطوں کے لگانے کا حق ہے، قال اخرقتھا الخ سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک تو یہ کہ اکابر سے کچھ ایسے کام بھی سرزد ہوسکتے ہیں، جن کا ظاہر اگرچہ خلاف شرع ہوتا ہے مگر واقعۃً وہ خلاف شرع نہیں ہوتے۔ دوسرے یہ کہ بعض اہل اللہ جن کو قطب التکوین اور صاحب خدمت کہتے ہیں، حکم الٰہی سے کچھ تکوینی تصرفات کرتے رہتے ہیں۔

الحمدللہ پارہ ۱۵ کی تفسیر تمام ہوئی۔

نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ اَیْ لَانَجْعَلُ لَهُمْ قَدْرًا **ذٰلِكَ** اَیِ الْاَمْرُ الَّذِیْ ذُكِرَتْ مِنْ حُبُوْطِ
اَعْمَالِهِمْ وَغَيْرِهٖ وَاِبْتِدَاءُ **جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِیْ وَرُسُلِیْ هُزُوًا** ﴿۱۰۶﴾ اَیْ مَهْزُوًّا
بِهِمَا **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ** فِیْ عِلْمِ اللّٰهِ **جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ** هُوَ وَسْطُ الْجَنَّةِ
وَاَعْلَاهَا وَالْاِضَافَةُ اِلَيْهِ لِلْبَيَانِ **نُزُلًا** ﴿۱۰۷﴾ مَنْزِلًا **خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ** يَطْلُبُوْنَ **عَنْهَا حِوَلًا** ﴿۱۰۸﴾ تَحَوُّلًا
اِلٰى غَيْرِهَا **قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ** اَیْ مَاؤُهٗ **مِدَادًا** هُوَ مَا يُكْتَبُ بِهٖ **لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ** اَلدَّالَّةِ عَلٰى حُكْمِهٖ
وَعَجَائِبِهٖ بِاَنْ تُكْتَبَ بِهٖ **لَنَفِدَ الْبَحْرُ** فِیْ كِتَابَتِهَا **قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ تَفْرُغَ **كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا**
بِمِثْلِهٖ اَیِ الْبَحْرِ **مَدَدًا** ﴿۱۰۹﴾ زِيَادَةٌ فِيْهِ لَنَفِدَ وَلَمْ تَفْرُغْ هِیَ وَنَصْبُهٗ عَلَى التَّمْيِيْزِ **قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ** اٰدَمِیٌّ
مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اَنَّ الْمَكْفُوْفَةَ بِمَا بَاقِيَةٌ عَلٰى مَصْدَرِيَّتِهَا وَالْمَعْنٰى يُوْحٰى اِلَیَّ
وَحْدَانِيَّةُ الْاِلٰهِ **فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا** يَاْمُلُ **لِقَآءَ رَبِّهٖ** بِالْبَعْثِ وَالْجَزَاءِ **فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ**
ع ۱۲ ۹ ۳ **بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ** اَیْ فِيْهَا بِاَنْ يُرَائِیْ **اَحَدًا** ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ:.........خضر علیہ السلام نے کہا کہ کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ میرے ساتھ صبر نہیں کرسکو گے (لفظ لكَ کا اضافہ اس وجہ سے کیا کہ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے عذر ومعذرت کا کوئی موقعہ نہیں رہا۔ کیونکہ اس سے قبل وہ مزید سوال نہ کرنے کا وعدہ کر چکے تھے۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا کہ اب اگر میں آپ سے کسی چیز کے متعلق سوال کروں۔ تو مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھیئے۔ بے شک پہنچ چکے ہیں آپ میری جانب سے حد عذر کو (مجھ کو اپنے سے جدا کرنے میں لـدنـی کے نون میں دو قراءت ہیں۔ ایک بغیر تشدید کے جو نافع کی قراءت ہے اور جمہور علماء تشدید کے قائل ہیں) پھر دونوں چل پڑے۔ یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں پر گذر ہوا (جس گاؤں کا نام انطا کیہ تھا) تو ان لوگوں سے بطور مہمانی کے کھانے کا مطالبہ کیا۔ لیکن ان لوگوں نے ان دونوں کی مہمانداری سے انکار کردیا۔ پھر ان دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار دیکھی۔ جو گرنے ہی والی تھی (جس کی اونچائی سوگز تھی) پس اس دیوار کو (خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے) کھڑی کردی (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا کہ اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اجرت لے لیتے (کیونکہ انہوں نے ہماری ضرورت کو جانتے ہوئے بھی مہمانی نہیں کی۔ لـتـخـذت میں ایک قراءت لاتـخـذت بھی ہے خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے) کہا کہ اب یہ وقت ہمارے اور تمہارے درمیان جدائی کا ہے۔ اب تمہیں (جدائی سے قبل) ان چیزوں کی حقیقت بتلاتا ہوں۔ جس پر تم خاموش نہیں رہ سکے وہ کشتی چند غریبوں کی تھی (جن کی تعداد دس تھی) یہ لوگ کشتی کو دریا میں (حصول روزگار کے لئے اجرت پر) چلاتے تھے۔ پس ارادہ کیا میں نے کہ اس کو عیب دار بنادوں۔ اور اس کے آگے ایک بادشاہ (کافر) جو ہر کشتی کو۔ (جو اچھی ہو) زبردستی لے لیتا تھا۔ (غصباً کو مصدر ہونے کی بناء پر نصب ہے اور جو ایک خاص قسم کے لینے کو بتاتا ہے) اور رہ گیا لڑکا تو اس کے والدین مومن تھے۔ سو ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ اپنی سرکشی اور کفر کا اثر ان دونوں پر بھی نہ ڈال دے۔ (مسلم شریف کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کافر پیدا کیا گیا تھا اور اگر وہ زندہ رہتا تو اپنے والدین پر بھی کفر کا اثر ڈال دیتا۔ یعنی والدین بھی اس کی محبت کی وجہ سے اس کے ساتھ کفر میں مبتلا ہوجاتے) پس ہم نے یہ چاہا کہ اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ ایسی اولاد ان کو دے جو بہتر ہو اس

سے (نیکی اور پرہیز گاری میں یبدلھما میں تشدید اور بغیر تشدید دونوں طرح قراءت ہے) اور جو محبت کرنے میں اس سے بڑھ کر ہو۔ (رحما کے حا کو جزم اور پیش دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ جس کے معنی والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے والدین کو ایک ایسی لڑکی عطا فرمائی۔ جس کی شادی ایک نبی سے ہوئی۔ اور جس کی اولاد بھی نبی ہی ہوئی۔ ان کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے پوری ایک امت کو ہدایت نصیب فرمائی) اور قصہ دیوار کا یہ ہے کہ وہ شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی۔ جس کے نیچے ان کا خزانہ تھا (یعنی سونا چاندی وغیرہ دفن تھا) اور ان کے والدین نیک تھے (جن کی نیکی کی وجہ سے ان دونوں بچوں کے جان و مال کی حفاظت کی گئی) تو آپ کے خدا نے چاہا۔ کہ وہ دونوں اپنی پختگی کو پہنچ جائیں (عقل وفہم کی حد کو پہنچ جائیں) اور اپنے خزانے کو نکال لیں۔ یہ آپ کے خدا کی مہربانی ہے۔ (رحمۃً مفعول لہٗ ہے جس کا عامل اراد ہے) اور نہیں کیا میں نے یہ (جس کا ذکر ہوا یعنی کشتی میں دراڑ پیدا کرنا، بچے کو قتل کرنا اور دیوار کھڑی کر دینا) اپنے اختیار سے (بلکہ یہ سب کچھ منجانب اللہ الہام تھا) یہ ہے حقیقت ان چیزوں کی جس پر آپ صبر نہ کر سکے (اسطاع اور استطاع دونوں طرح استعمال کیا گیا ہے۔ گویا انہوں نے دونوں لغت کو جمع کر دیا۔ جس کے معنے ایک ہی ہیں یعنی طاقت وقوت کے۔ اسی طرح پر فاردت کو مختلف انداز میں پیش کیا گیا۔ کبھی فاردت اختیار کیا گیا۔ کبھی فاردنا استعمال کیا اور کہیں فاراد ربک ذکر کیا۔ یہ محض اسلوب کی تبدیلی ہے) یہ آپ سے سوال کرتے ہیں (یہود) ذوالقرنین کے بارے میں (جن کا نام اسکندر ہے اور وہ نبی نہیں ہیں) کہہ دیجئے کہ ابھی میں بیان کرتا ہوں تم سے ان کے احوال بطور خبر کے۔ ہم نے انہیں زمین پر حکومت دی تھی (اس سرزمین پر سیر وسیاحت کی آسانیاں دے کر) اور ہم نے انہیں ہر طرح کا سامان دیا تھا۔ (جس کی انہیں اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ضرورت پڑ سکتی تھی) پھر وہ ایک راستہ پر چل پڑے (مغرب کی جانب) یہاں تک کہ جب وہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ پر پہنچے تو سورج کو ایک سیاہ چشمہ میں ڈوبتے ہوئے محسوس کیا۔ (یعنی ایک گدلے چشمہ میں اور سورج کا غروب اس حالت میں واقعی غروب نہیں تھا، کیونکہ سورج تو ہماری موجودہ دنیا سے بھی بڑا ایک کرہ ہے۔ اس لئے مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین کو اس طرح نظر آیا) اور پایا اس کے پاس (چشمہ کے پاس) ایک قوم کو (جو کافر تھی) ہم نے کہا ذوالقرنین سے (الہام کے ذریعہ) کہ تم چاہو تو انہیں سزا دو (اور جان سے مار ڈالو) یا یہ کہ ان کے بارے میں نرمی اختیار کرو (قیدی بنا کر) ذوالقرنین نے کہا اچھا جو شخص ظلم کرے گا (شرک کر کے) اسے عنقریب ہم سزا دیں گے (یعنی ہم اس سے قتال کریں گے) پھر وہ لوٹائے جائیں گے اپنے خدا کے پاس تو وہ انہیں سخت سزا دے گا (آگ میں ڈال کر نکرا کے ک کو جزم اور پیش دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ جس کے معنی سخت کے ہیں۔) اور بہرحال وہ لوگ جو ایمان لے آئیں گے اور اچھے عمل کریں گے ان کے لئے بہتر بدلہ ہے (یعنی جنت۔ اس صورت میں جزاء کی اضافت حسنیٰ کی طرف اضافت بیانیہ ہے۔ ایک دوسری قراءت میں لفظ جزاء منصوب مع تنوین ہے۔ اور فراء کے خیال میں جزاء پر نصب تفسیر کے لئے ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ حسنیٰ بحیثیت جزاء ملے گی) اور ہم اپنے برتاؤ میں اس سے آسان بات کہیں گے (یعنی ہم بھی اس کے ساتھ احکام میں نرمی اختیار کریں گے) پھر وہ ایک اور راستہ پڑے (مشرق کی جانب) یہاں تک کہ وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پر پہنچے اور دیکھا کہ وہ طلوع ہو رہا ہے ایک قوم پر (جو حبشی ہیں) جن کے لئے ہم نے سورج سے آڑ کی کوئی چیز نہیں رکھی (نہ لباس اور نہ چھت وغیرہ کیونکہ ان کی سرزمین میں کوئی تعمیر وغیرہ ممکن نہیں۔ البتہ ان کے لئے سرنگ ہیں جن میں وہ سورج کے نکلنے کے وقت چھپ جاتے ہیں اور سورج کے اوپر ہونے کے بعد نکل آتے ہیں) اسی طرح ہے (یعنی واقعہ اسی انداز پر ہے جس طرح ہم نے بیان کیا) اور جو کچھ ان کے پاس تھا اس کی مجھے پوری طرح خبر ہے (یعنی ذوالقرنین کے پاس اسباب اور لشکر وغیرہ جو کچھ تھا اس کا مجھے اچھی طرح علم ہے) پھر وہ ایک اور راستہ پر چل پڑے۔ یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے۔ سدین کی س میں زبر اور پیش دونوں طرح